عباس علی خانؒ: کارنامہ زندگی

۱

پروفیسر خورشید احمد

عباس علی خانؒ برعظیم کی تحریک اسلامی کے ایک مضبوط ستون تھے۔ مشرقی پاکستان اور پھر بنگلہ دیش میں ۴۵ سال تحریک کی آبیاری کی اور اسے ایک لہلہاتی ہوئی کھیتی کی شکل میں چھوڑ کر ۳ اکتوبر ۱۹۹۹ کو رب اعلیٰ سے جا ملے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون!

عباس علی خانؒ سے میری پہلی ملاقات ۱۹۵۵ میں ڈھاکہ میں ایک تحریکی پروگرام کے موقع پر ہوئی جب وہ جماعت میں نئے نئے شامل ہوئے تھے اور راج شاہی میں جماعت کی قیادت کر رہے تھے۔ پھر جب ۱۹۶۲ میں وہ قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے تو صبح وشام ان سے ملنے اور ملکی اور تحریکی مسائل پر گفتگو کرنے کا موقع ملا۔ عباس علی خانؒ کا علمی ذوق بڑا نکھرا ہوا تھا اور مطالعہ وسیع تھا۔ فکر مودودی کے عاشق تھے اور بنگلہ زبان میں ترجمان بھی۔ گفتگو میں متانت، اور کم گوئی کے باوجود دوسرے کو قائل کر لینے کی صلاحیت تھی۔ بنگلہ کے بہت اچھے مقرر تھے لیکن اردو اور انگریزی میں بھی صاف ستھرا خطاب کر لیتے تھے۔ سیاسی مسائل پر ان کی رائے بڑی جچی تلی ہوتی تھی۔ تحریک اسلامی کو انھوں نے اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا تھا۔ سیاسی زندگی کا آغاز شیر بنگال سر فضل حق کے معاون کی حیثیت سے کیا۔ کئی سال ایک ہائی اسکول کے صدر مدرس رہے لیکن ان کے اصل جوہر جماعت میں آنے کے بعد کھلے۔ راج شاہی کو تحریک کا مضبوط قلعہ بنایا۔ پھر مرکز میں ذمہ داریاں سنبھالیں۔ زبان اور قلم دونوں سے اسلامی فکر و دعوت کی ترویج کا کام انجام دیا۔ مغربی پاکستان کے بھی گوشے گوشے کا سفر کیا اور مولانا ابوالکلام محمد یوسف کے ساتھ اسلام کا پیغام سادہ زبان میں بیان کیا اور ہر جگہ امت اسلامیہ پاکستان کی وحدت کا نغمہ سنایا۔

بنگلہ دیش بننے کے بعد پروفیسر غلام اعظم کی عدم موجودگی اور پھر شہریت سے محرومی کے دور میں میرکارواں کی ذمہ داریاں بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیں اور تحریک کی بنیادوں کو مضبوط کیا۔ میں نے ہمیشہ

عباس علی خانؒ کو ایک خاموش معمار کی شکل میں دیکھا اور ان کی دعوتی اور تنظیمی دونوں صلاحیتوں کا دل کی گہرائیوں سے معترف رہا۔ میرے ساتھ ان کا معاملہ ہمیشہ ایک مشفق بھائی کا سا رہا۔ اللہ تعالیٰ ان کی خدمات جلیلہ کو قبول فرمائے اور جنت الفردوس کے اعلیٰ مقامات میں ان کو جگہ دے۔ (آمین)

۲

عبدالشہید نسیم ؏

مفکر اسلام' قائد تحریک اسلامی محترم عباس علی خانؒ ۳ اکتوبر ۱۹۹۹ کو رفیق اعلیٰ کے مہمان بن گئے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ ان کا ڈھاکہ میں انتقال ہوا۔ انتقال کے وقت ان کی عمر ۸۵ برس تھی۔

مرحوم عباس علی خان تحریک اسلامی کے لیے ایک روشن مینار تھے۔ تحریک اسلامی بنگلہ دیش کی تاریخ ان کی عظیم خدمات اور کارناموں سے ہمیشہ درخشاں رہے گی۔ بنگلہ دیش کے میدان سیاست کے وہ صف اول کے رہنماؤں میں سے تھے۔ ۱۴ سال جماعت اسلامی بنگلہ دیش کے قائم مقام امیر رہے۔ تزکیہ و تربیت کے حوالے سے وہ ایک بہترین مربی تھے۔ تحریک اسلامی کے فکری رہنما اور مفکر اسلام کی حیثیت سے نہ صرف بنگلہ دیش میں بلکہ عالم اسلام میں معروف تھے۔

عباس علی خانؒ کی ولادت ۱۹۱۴ میں آبائی ضلع جے پور ہاٹ میں ایک مسلمان گھرانے میں ہوئی۔ اصلاً وہ پٹھان تھے۔ ان کے آبا و اجداد پختون تھے اور افغانستان سے ہجرت کر کے یہاں آئے تھے۔ ۱۹۳۰ میں ہوگلی (مغربی بنگال) کے نیو اسکیم مدرسے سے انھوں نے میٹرک پاس کیا۔ پھر ۱۹۳۵ میں کلکتہ یونی ورسٹی سے امتیازی حیثیت میں بی اے کیا اور سرکاری ملازمت کر لی۔ ۱۹۴۷ تک وہ سرکاری ملازم رہے۔ دوران ملازمت متحدہ بنگال کے وزیراعلیٰ ابوالقاسم فضل الحق کے پرسنل سیکرٹری بھی رہے۔ ۱۹۴۰ میں جب قرارداد لاہور منظور کی گئی تو اس موقع پر فضل الحق کے ساتھ عباس علی خان بھی جلسے میں موجود تھے۔ ۱۹۵۲ سے لے کر ۱۹۵۷ تک وہ جے پور ہاٹ ہائی اسکول میں بطور صدر مدرس خدمات انجام دیتے رہے۔ بنیادی طور پر ان کا ایک مذہبی گھرانے سے تعلق تھا۔ وہ طریقت اور تصوف کے قائل تھے۔ جماعت اسلامی میں شمولیت سے قبل وہ فورفورہ کے پیر عبدالحی صدیقی کے مرید اور خلیفہ تھے۔

تحریک اسلامی میں شمولیت: عباس علی خانؒ دسمبر ۱۹۵۴ میں جماعت اسلامی کے ایک جلسے میں شریک ہوئے۔ پروفیسر غلام اعظم اس جلسے سے بطور مہمان خصوصی خطاب فرما رہے تھے۔ اس موقع پر

؏ ڈائرکٹر' سید مودودی ریسرچ اکیڈمی' ڈھاکہ' بنگلہ دیش

انھوں نے پروفیسر غلام اعظم سے ملاقات کی۔ یہ ان کا جماعت اسلامی سے پہلا تعارف تھا۔ جولائی ۱۹۵۶ میں وہ رکن بنے۔ عباس علی خانؒ رکنیت کے حلف کے واقعے کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "جب میں نے رکنیت کا حلف پڑھا تو اسی وقت میں نے اپنی جان و مال خدا کے پاس فروخت کردی۔ یوں لگا جیسے اب مجھے صراط المستقیم ملا ہو۔ اس سے پہلے میں طریقت اور تصوف کا قائل تھا لیکن اطمینان قلب نہیں تھا۔ میں خدا کا شکر گزار ہوں۔ ورنہ اگر اور کئی سال اس راستے پر چلتا رہتا تو باطل کے خلاف جہاد کرنے کی قوت ہی مجھ سے سلب ہو جاتی اور میں میدان جہاد سے ہٹ کر ساری زندگی کے لیے کسی آستانے میں بیٹھ جاتا (تذکرہ زندگی)۔

مرحوم عباس علی خان بہت اچھی اردو جانتے تھے۔ انھوں نے اردو زبان ہی میں سید مودودیؒ کی تمام کتابیں پڑھیں۔ جب ۱۹۵۶ میں سید مودودیؒ نے پہلا مرتبہ مشرقی پاکستان کا سفر کیا، اس وقت عباس علی خانؒ کو پہلی مرتبہ مولانا مودودیؒ کی صحبت اور قربت کا شرف حاصل ہوا۔ وہ ایک معروف استاد اور ہیڈ ماسٹر تھے۔ تحریکی کام کی ضرورت اور تقاضوں کے پیش نظر انھوں نے جماعت کے فیصلے پر جنوری ۱۹۵۷ میں اسکول سے استعفا دے دیا۔

تحریکی ذمہ داریاں: عباس علی خانؒ نے اپنی تمام صلاحیتوں اور توانائیوں کو دین کی سربلندی اور فریضہ اقامت دین کے لیے وقف کردیا۔ ۱۹۵۷ سے سقوط مشرقی پاکستان تک وہ جماعت اسلامی راج شاہی ڈویژن کے امیر رہے۔ بنگلہ دیش بننے کے بعد انھیں گرفتار کر لیا گیا۔ وہ دو سال تک جیل میں رہے۔ پھر ڈھاکہ میں خفیہ طور پر دعوت کا کام شروع کیا گیا، اس لیے کہ اس وقت جماعت اسلامی کو ممنوع قرار دے دیا گیا تھا۔

۱۹۷۹ میں جماعت اسلامی نے اپنے نام سے علی الاعلان کام شروع کیا۔ اس موقع پر اجتماع ارکان بلایا گیا اور عباس علی خانؒ ہی نے جماعت اسلامی کے نام سے باقاعدہ کام کرنے کا اعلان کیا۔ وہ اس وقت سے اپنی وفات تک مرکزی نائب امیر کی ذمہ داری پر فائز رہے۔ امیر جماعت پروفیسر غلام اعظم کے شہریت کے مسئلے کی وجہ سے وہ ۱۹۷۹ سے ۱۹۹۲ تک قائم مقام امیر جماعت اسلامی بنگلہ دیش بھی رہے۔ پھر چند مہینے کے بعد جب حکومت نے پروفیسر غلام اعظم کو گرفتار کر لیا تو اس وقت (۹۳-۱۹۹۲) بھی عباس علی خان مرحوم ۱۶ مہینے قائم مقام امیر رہے۔ جب بھی امیر جماعت بیرون ملک دورے پر جاتے تو قائم مقام امیر کی ذمہ داری ان ہی کے سپرد کی جاتی۔ اس طرح سے وہ مختلف اہم تحریکی ذمہ داریاں نبھاتے رہے۔ وہ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ ریسرچ اکیڈمی کے چیئرمین بھی رہے۔ انھوں نے تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی نمایاں خدمات انجام دیں۔ انھوں نے ۱۸ کتب تصنیف کیں، جب کہ ۱۳ کتابوں کا بنگالی زبان میں ترجمہ کیا۔ انھوں نے "تعلیم الاسلام اکیڈمی اور کالج" کے نام سے ایک بڑا ادارہ ایک ٹرسٹ کے تحت قائم کیا۔

سیاسی خدمات: عباس علی خانؒ ۱۹۶۲ میں پاکستان قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ اس انتخاب میں جماعت اسلامی کے چار امیدوار قومی اسمبلی کے لیے منتخب ہوئے تھے۔ چاروں مشرقی پاکستان سے تھے۔ عباس علی خانؒ اس وقت جماعت اسلامی پارلیمانی گروپ کے سربراہ تھے۔ انھوں نے اسمبلی میں اسلام اور جمہوری اقدار کے فروغ کے لیے بھرپور آواز بلند کی اور نمایاں کردار ادا کیا۔

جب ایوب خان نے مسلم فیملی لا آرڈی ننس پیش کیا جو اسلامی تعلیمات کے سراسر خلاف تھا تو اس وقت اس کے خلاف آواز بلند کرنے والے عباس علی خانؒ ہی تھے۔ انھوں نے اس کے خلاف ترمیمی بل پیش کیا۔ اس سے ایک روز قبل ۳ جولائی ۱۹۶۲ کو ایوب خان نے عباس علی خانؒ کو اپنے ہاں مدعو کیا۔ اس موقع پر مہمان نوازی کے ساتھ ساتھ انھوں نے انھیں اس آرڈی ننس کی مخالفت میں ترمیمی بل پیش نہ کرنے کے لیے بھی کہا۔ لیکن ایوب خان کے تمام تر اثر و رسوخ اور رعب داب کے باوجود انھوں نے حق کی آواز بلند کرنے کا فیصلہ کیا۔ ۴ جولائی ۱۹۶۲ کو اسمبلی کا اجلاس شروع ہونے پر حکومتی آرڈی ننس کو چیلنج کر دیا۔ حکومت نے اس پر سخت واویلا کیا اور ہر طرح کے ہتھکنڈے استعمال کیے۔ مغرب زدہ خواتین سے "اپوا" کے پلیٹ فارم سے عباس علی خانؒ کے خلاف بھرپور مہم چلائی، ملک بھر میں جلوس نکالے گئے اور ان کی تصاویر کو نذر آتش کیا گیا۔ مگر وہ اپنے موقف سے پیچھے نہ ہٹے۔ ان کی اس استقامت اور جرأت کو سراہا گیا۔ محب وطن اور اسلام پسند حلقوں کی طرف سے انھیں اس موقع پر بڑی تعداد میں مبارک باد کے خطوط اور تار موصول ہوئے۔ یہ ان کے پارلیمانی کردار کی ایک جھلک تھی۔

ایوب خان کی آمریت کا مقابلہ کرنے کے لیے اور جمہوریت کی بحالی کے لیے جو عوامی تحریک چلائی گئی، اس میں آپ نے کلیدی رہنما کا کردار ادا کیا۔ اس تحریک کے نتیجے ہی میں ایوب خان کی حکومت کا خاتمہ ہوا۔

۱۹۷۱ میں عباس علی خانؒ نے مشرقی پاکستان کی کابینہ میں بہ طور وزیر تعلیم بھی خدمات انجام دیں۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انھوں نے تعلیمی پالیسی اور نظام تعلیم کو اسلامی خطوط پر آگے بڑھانے کے لیے بھرپور جدوجہد کی۔ سقوط مشرقی پاکستان (۱۶ دسمبر ۱۹۷۱) کے بعد انھیں گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا۔ بنگلہ دیش کے قیام کے بعد ملک میں جمہوریت کے فروغ اور اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے انھوں نے جدوجہد جاری رکھی۔ جنرل ارشاد کی حکومت کے خلاف ایک بھرپور عوامی تحریک چلائی گئی۔ اس تحریک کی مرکزی قیادت جن تین افراد پر مشتمل تھی ان میں ایک عباس علی خانؒ بھی تھے۔ یعنی خالدہ ضیا، حسینہ واجد اور عباس علی خان۔ انھوں نے ایک بھرپور سیاسی زندگی گزاری اور اسلام اور جمہوریت کے فروغ کے لیے گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔

شخصیت و خدمات: عباس علی خان مرحوم تحریک اسلامی کے سابقون الاولون میں سے تھے۔ وہ اخلاص نیت' پاکیزگی' تقویٰ و پرہیزگاری' عبادت و بندگی' عدل و احسان اور اتباع رسولؐ میں آگے آگے تھے۔ فریضہ اقامت دین کی ادایگی کے لیے اور اس راہ میں صبرواستقامت اور قربانی کے حوالے سے وہ ایک قابل تقلید نمونہ تھے۔ للّٰہیت' تعلق باللہ اور تقرب الٰہی ان کی شخصیت کا منفرد وصف تھا۔ تہجد گزار تھے۔ ان کی نمازیں احسان اور خشوع و خضوع سے بھرپور ہوتی تھی۔ نفلی عبادات کا بھی خصوصی اہتمام فرماتے تھے۔ ذکر اور دعاؤں میں ہمیشہ مشغول رہتے تھے۔

وہ سلیم الطبع تھے۔ اپنا کام خود کرنے کو ترجیح دیتے تھے۔ وقت کے بہت پابند تھے۔ ہمیشہ سچی اور سیدھی بات کہتے' کبھی لگی لپٹی نہ رکھتے۔ کبھی کسی کو گالی نہ دیتے تھے۔ انھیں غصے میں کبھی نہیں دیکھا گیا۔ متانت سے بات کرتے تھے' کسی کی اہانت نہ کرتے۔ نہایت ملنسار تھے' لوگوں کے بارے میں حسن ظن رکھتے تھے۔ سیاسی مخالفین تک کی تکریم کرتے تھے۔ دین کے علم و فہم کے لحاظ سے ایک بلند پایہ عالم دین تھے۔ دینی مسائل پر ان کی گہری نظر تھی۔ علما کے حلقے میں ان کا نام احترام سے لیا جاتا تھا۔

تحریک اسلامی ان کا اوڑھنا بچھونا تھی۔ تحریک کے حوالے سے جو کچھ محسوس کرتے تھے' اسے بلاجھجک بیان کرتے۔ ان کا انداز اتنا موثر' دل پذیر اور اثر انگیز ہوتا تھا کہ بے اختیار آنکھوں سے آنسو بہہ جاتے تھے۔ تحریک کے مسائل پر خاص طور پر نظر رکھتے تھے کہ کام صحیح خطوط اور معیاری بنیادوں پر آگے بڑھ سکے۔ زندگی کے آخری ایام میں انھیں تحریک اسلامی کے حوالے سے کچھ کمزوریوں اور مسائل کا احساس ہوا۔ اس طرف بھرپور انداز میں توجہ دلانے کے لیے انھوں نے **ایک نظریاتی جماعت کے زوال کے اسباب** کے نام سے ایک کتابچہ لکھا اور بروقت رہنمائی کا فریضہ انجام دیا۔ یہ ان کی تحریک سے قلبی تعلق کی نوعیت تھی۔

عباس علی خان مرحوم کبرسنی اور بڑھاپے کے باوجود جس جذبے اور لگن سے کام کرتے تھے اس کا اندازہ پروفیسرغلام اعظم صاحب کے ان الفاظ سے ہو سکتا ہے جو انھوں نے ان کے جنازے کے موقع پر پلٹن میدان' ڈھاکہ میں انھیں خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہے۔ انھوں نے کہا عباس علی خان مرحوم میرے لیے source of inspiration تھے۔ گو عمر کے اعتبار سے وہ مجھ سے آٹھ سال بڑے تھے لیکن ۸۵ برس کی عمر میں بھی وہ جس جذبے اور لگن سے کام کرتے تھے' بسااوقات میں پریشان ہو جاتا تھا کہ مجھے تو ان سے زیادہ کام کرنا چاہیے۔ اللہ ان کی خدمت جلیلہ کو قبول فرمائے اور درجات کو بلند فرمائے۔ (آمین)

انھیں ان کے گھر کے نزدیک جے پور ہاٹ میں دفنایا گیا۔